May
2026

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

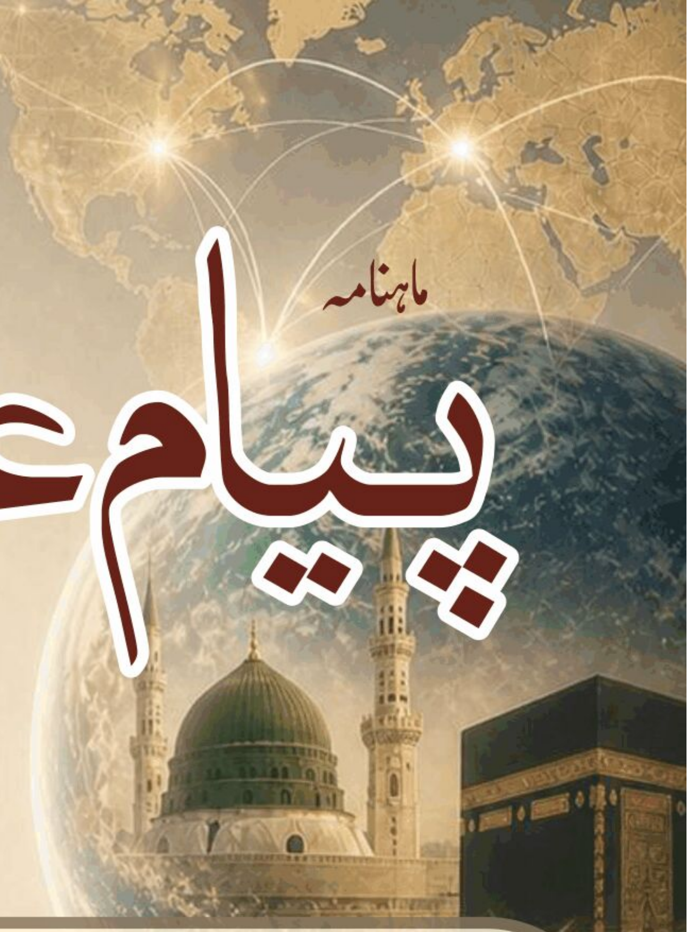

مذہبِ اسلام

جامع اور متوازن تعلیمات کا حامل

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

”آج ہمارا کام یہ ہے کہ اسلام کا ایسا متوازن، ایسا جامع تخیل دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں جس سے وہ یہ سمجھیں کہ اسلام ہی ان کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے، اگر امریکہ کا اسلام سے، نبوت محمدیؐ سے، آسمانی تعلیمات سے، اسلامی اقدار سے رشتہ قائم ہوجائے تو آج ساری دنیا پر رحمتوں کے دروازے کھل جائیں، آج دنیا کی قسمت بدل جائے، تقدیر بدل جائے، جنگوں کے بادل چھٹ جائیں، دلوں سے نفرت دور ہوجائے، انسان انسان کا شکاری نہ رہے، انسان انسان بن جائے، انسان صرف شیطان کا دشمن اور انسان کا دوست بن جائے اور یہ کام اسلام ہی کرسکتا ہے۔“ (نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں: ۶۲)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دارِعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

عالم اسلام کی اہمیت اور ذمہ داری

حضرت مولانا سید محمد الحسنی علیہ الرحمۃ

”بلاشبہ اس وقت پورا عالم اسلام اور خاص طور پر عالم عرب ایک نازک اور فیصلہ کن دور سے گزر رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کا یہ نہایت سنگین اور حساس مرحلہ ہے، یہ وہ دور ہے جس کی مثال اقوام وملل کی تاریخ میں شاذ ونادر ہی نظر آتی ہے۔ آج کے ان حالات میں عالم اسلام کی سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنا فرض منصبی ادا کرے، عالمی سیاست کی بساط میں مرکزی کردار نبھائے، تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دے اور دنیا کی باگ ڈور جاہلی نظام کے بجائے اسلام کے پاکیزہ وعادل اور منصفانہ نظام کے سپرد کردے۔ حقیقت میں اس امت کا یہی وہ بنیادی اور سب سے بلند مقصد ہے جس کے لیے اقوام عالم کے درمیان اس کو برپا کیا گیا تھا۔

یاد رہے! اس عظیم مقصد کے لیے جوش کے بجائے ہوش، دوراندیشی، حزم واحتیاط، حکمت اور تدبر کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے جرأت وہمت بھی چاہیے مگر اسی کے ساتھ غور وفکر اور منصوبہ بندی بھی ضروری ہے، اس کی بہترین مثال باز اور شیر کے شکار کی ہے جو پوری قوت اور سمجھ داری کے ساتھ اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

یاد رہے! اس عظیم مقصد کے لیے امت مسلمہ کے اندر غیر معمولی ایمانی وروحانی اسپرٹ کا ہونا بھی ناگزیر ہے، اسی کے ساتھ مادّی اور جنگی ساز وسامان سے لیس ہونا اور جدید سائنسی وسائل سے فائدہ اٹھانا بھی ایک ضرورت کی چیز ہے، ان تمام چیزوں کے علاوہ مسلمانوں کی منتشر صفوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرنا بھی لازمی ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے آپسی انتشار نے بہت سے مواقع پر عالم اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقل وفکر کی انقلابی یورشوں، دیوقامت ایجادات واختراعات، توپ وتفنگ کی طاقت اور حد سے بڑھی ہوئی مادّی تہذیب کی چکاچوند کے سامنے اس کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔

اس میں شبہ نہیں کہ جغرافیہ عالم میں عالم اسلام کو بلند مقام حاصل ہے اور اقتصادی لحاظ سے دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں وہ سب سے زیادہ مضبوط ہے، اس لیے کہ وہی Crude Oil کے چشموں کا تنہا مالک ہے جس سے آج دنیا کی صنعتی زندگی کا پہیہ رواں دواں ہے، اس کے علاوہ بھی وہاں ایسے بہت سے ذخائر اور معدنیات کا مخزن ہے جو شاید ابھی برآمد نہ ہوسکا ہو، لیکن وہاں ضرورت ایسے افراد کار کی ہے جن کی تعلیم وتربیت اسلامی مزاج کے مطابق ہوئی ہوتا کہ وہ کسی بھی طرح کی بیرونی امداد کے محتاج نہ رہیں۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۸ — مئی ۲۰۲۶ء - ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ — شمارہ: ۵

غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبد السبحان ناخدا ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی
محمد امین حسنی ندوی
محمد ارمغان بدایونی ندوی

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ:

”لَا یَبْقَی عَلیٰ ظَھرِ الْأَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْإِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیزٍ أَوْ ذُلِّ ذَلِیلٍ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(روئے زمین پر کوئی ایسا گھر باقی نہیں رہے گا، نہ مٹی کا (شہری آبادی) اور نہ اون کا (دیہاتی وخانہ بدوش) مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ ضرور داخل فرمادے گا، یا تو کسی معزز کو عزت دے کر، یا کسی ذلیل کو ذلت دے کر۔)

(مسند أحمد بن حنبل: ٢٤٥٣٤)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس،اے،آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

عالمی حالات اور اہل دانش کی ذمہ داریاں (اداریہ)...........۳

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ...........۴

مولانا جعفر مسعود حسنی ندویؒ

تقویٰ کیا ہے؟...........۶

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عدت کے احکام...........۸

مفتی راشد حسین ندوی

آب نائے ہرمز کی اہمیت...........۱۰

محمد مکی حسنی ندوی

طلبہ دین کی ذمہ داری اور تقاضے...........۱۲

محمد نجم الدین ندوی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز...........۱۴

محمد امین حسنی ندوی

میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم...........۱۷

محمد مصعب ندوی

سوشل میڈیا اور اخلاقی چیلنجز...........۱۹

محمد ارمغان بدایونی ندوی

جلوہ گاہ سرور ونشاط

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

مدت ہوئی پاس نزاکت کیے ہوئے
آہ وفغاں سے شور قیامت کیے ہوئے

لو دیکھو آگیا نہ زباں پر کسی کا نام
مدت سے ہم تھے ضبط محبت کیے ہوئے

اگلا سا وہ سکون ومتانت کہاں کہ اب
شوریدگی ہے بندۂ وحشت کیے ہوئے

پھرتا ہے پھر نظر میں کسی کا خرام ناز
سامان منتہائے قیامت کیے ہوئے

یہ شوق دید ہے کہ چلا میں عدو کے گھر
خودداری وغرور سے فرصت کیے ہوئے

پھر دل میں ہے کہ دیکھیے جرأت کا امتحان
انجام کو حوالہ قسمت کیے ہوئے

وہ دل کہ جلوہ گاہ سرور ونشاط تھا
اب غم ہے اس کو مدفن حسرت کیے ہوئے

اب دل میں دیولہ بھی نہیں کوئی ہے کہ ہوں
اندازۂ زبونی قسمت کیے ہوئے

بے گانہ وار در پہ کسی کے چلا ہوں پھر
سامان صد نہفتن الفت کیے ہوئے

ناظر کے ہوش وعقل بھلا اب کہاں درست
ہے مست اس کو بادۂ الفت کیے ہوئے

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عالمی حالات اور اہلِ دانش کی ذمہ داریاں

امریکہ کے مقنن اول نے جو بات کہی تھی آج وہ حقیقت بن کر سامنے آرہی ہے، یہودی امریکہ میں اتنی مضبوط پکڑ کے ساتھ ہیں کہ امریکی ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں، یہودی جس ملک میں بھی رہے انھوں نے اس ملک کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا، ان کو اپنی عقل اور اپنی برتری پر ناز ہے، یقیناً ایک دور ایسا گزرا ہے کہ قرآن مجید نے ان کی برتری کا تذکرہ کیا ہے لیکن اپنے کالے کرتوتوں سے پھر انھوں نے اپنے آپ کو وہاں پہنچا دیا کہ قرآن مجید نے ان کی ذلت کا تذکرہ کیا اور ان کو اللہ کے غضب کا مستحق قرار دیا۔

مختلف ملکوں نے ان سے پیچھا چھڑا کر فلسطین میں باز آبادکاری کی اور آج حال یہ ہے کہ وہ سیاہ وسپید کے مالک بنے ہوئے ہیں، فلسطین کو تاراج کیا گیا، غزہ برباد کیا گیا اور اب ایران اور لبنان سامنے ہیں اور نہ جانے کس کس کی باری ہے، افسوس یہ ہے کہ امریکہ اس کا پشت پناہ ہی نہیں، اس کے ساتھ کھڑا ہے، خود امریکی اس کو پسند نہیں کرتے اور اندر ہی اندر لاوہ پک رہا ہے۔

کاش کہ دنیا ہوش کے ناخن لے اور سوچے کہ جو قوم ننگ انسانیت ہے اور جس نے ہمیشہ دنیا کے لوگوں کو اپنا غلام سمجھا اور ان کا یہ عقیدہ رہا کہ وہ دنیا کے آقا ہیں اور دنیا ان کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کی گئی ہے، وہ قوم کس کی ہوسکتی ہے اور اس کا ساتھ دینے والے اپنے لیے گڑھا کھود رہے ہیں، آج نہیں تو کل ان کی باری ہے۔

وہ قوم جس میں نہ جانے کتنے انبیاء مبعوث ہوئے اور اس پر اللہ نے کیسے کیسے انعامات فرمائے لیکن اس نے نبیوں کو قتل کیا اور نعمتوں کی ناقدری کی، آج وہ دنیا کے لیے کسی ناسور سے کم نہیں، ظلم وستم کے حدود ختم ہو چکے، جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے وہ تصور سے باہر ہے اور اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور بہت سے مہر بلب ملکوں کے قائدین نے زبانیں کھولنا شروع کردی ہیں، اس لیے کہ اب نقصان کی زد میں سب ہیں۔

آدمی نہیں سوچتا کہ جو آگ لگائی جارہی ہے کل وہ اس کے گھر کو جلائے گی، اگر اس کو بجھایا نہ گیا تو دنیا کہاں پہنچے گی، پہلے ہی تدبیر کرلی جائے تو طوفان کا مقابلہ آسان ہوتا ہے اور اگر سونے والا یہ سوچ کر سوتا رہے کہ ابھی تو آگ بہت دور ہے تو اس کے بجھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور سب تباہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت ضرورت ہے ظلم کے خلاف کمربستہ ہونے کی، خاص طور پر وہ لوگ جو کچھ کر سکتے ہیں جن کے پاس طاقت اور حکومت ہے، افسوس ہے کہ وہی لوگ اس کے نشے میں چور ہو کر بھول جاتے ہیں کہ کل وہ بھی کسی کا نشانہ بنائے جاسکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں ذمہ داری مسلمانوں کی بھی ہے اور عالمی طاقتوں کی بھی، مسلمانوں کو صحیح نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور دنیا کے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ کشمکش جو مختلف ملکوں میں خوں ریزیوں کی شکل میں جاری ہے، اس کو بند نہیں کیا جاسکتا اور اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہی نہیں ہوگا بلکہ پوری دنیا کو اس کے نقصانات بھگتنے پڑیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا میں بے اطمینانی کی عام کیفیت پیدا ہوتی جارہی ہے، جینے کا مزہ ختم ہو رہا ہے، ان حالات میں ذمہ داری ہے احساس رکھنے والوں کی، انسانیت کا درد رکھنے والوں کی، حقائق پر غور کرنے والوں کی، تاریخ سے سبق لینے والوں اور اس سے روشنی حاصل کرنے والوں کی اور حالات بتا رہے ہیں کہ شاید یہ چیز ابھی عنقا نہیں ہوئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سورۂ یوسف میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيِصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (یوسف: ۹۰) (یقیناً جو بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ بہتر کام کرنے والوں کے اجر کو بے کار نہیں کرتا۔)

آیت سے پتہ چلا کہ جو آدمی تقویٰ کی زندگی گزارے گا اور تقویٰ کی زندگی گزارنے میں جب دشواریاں پیش آئیں گی، مشکلات سامنے کھڑی ہوں گی، پریشانیاں دامن گیر ہوں گی، اس وقت صبر سے کام لے گا تو اللہ تعالیٰ اچھی زندگی گزارنے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اسی سورہ کی ایک دوسری آیت میں تقویٰ اور صبر کا نتیجہ یہ بتایا گیا:

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنِّا لِيُوسُفَ فِي الأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ وَلاَ نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (یوسف: ۵۶)

(اور اس طرح یوسف کو ہم نے ملک میں اقتدار عطا کیا کہ وہ جہاں چاہیں رہیں، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نواز دیتے ہیں اور اچھا کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔)

یہ آیت بھی ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین یعنی دنیا میں اقتدار عطا کیا کہ وہ جہاں چاہیں رہیں اور وہ جس کو بھی چاہتا ہے اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔ حقیقت میں یہ اسی صبر کا نتیجہ ہے اور اسی تقویٰ کی برکت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ایک خواب سے شروع ہوتا ہے۔ وہ خواب دیکھتے ہیں تو اپنے والد سے جا کر عرض کرتے ہیں کہ

﴿يَا أَبتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ (یوسف: ۴)

(ابا جان! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا، دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔)

ان کے والد نے ان سے کہا کہ ﴿يَا بُنَيَّ لاَ تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُواْ لَكَ كَيْداً إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (یوسف: ۵) (اے میرے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا، کہیں وہ تمہارے لیے کوئی چال چلنے لگ جائیں، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔)

گویا اس نصیحت میں یہ اشارہ دیا گیا کہ بھائی اپنے بھائی سے جل سکتا ہے، بھائی اپنے بھائی سے حسد کر سکتا ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی کے لیے دل میں کینہ رکھ سکتا ہے، اپنے ہی بھائی کے خلاف بھائی مورچہ بنا سکتا ہے۔ یہ ہماری آنکھیں دیکھ بھی رہی ہیں یعنی بیرونی مخالفت، بیرونی دشمنی کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنوں کی دشمنی کو بھی جھیلنا، دیکھنا اور سہنا پڑتا ہے۔

یہ قصہ آگے بڑھتا ہے تو اپنے بھائیوں سے یہ بات چھپانے کے باوجود بھول سے بیان کر دیتے ہیں تو پھر کینہ، حسد، جلن، دشمنی اور مخالفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد سے جا کر یہ کہتے ہیں کہ آپ ان کو ہمارے ساتھ کیوں نہیں بھیجتے؟ یہ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو کھلیں، کودیں، تفریح کریں، گھومیں پھریں۔ آپ ان کو گھر میں قید رکھتے ہیں لیکن ان کے والد جانتے تھے، بھائیوں کی طرف سے ان کے والد حضرت یعقوب کے دل میں اطمینان نہیں تھا، لہٰذا ان کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بہت اصرار کے بعد حضرت یعقوب مجبور ہوتے ہیں اور حضرت یوسف کو بھائیوں کے ساتھ بھیج

دیتے ہیں، چوں کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ کہا تھا کہ ﴿إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُواْ بِهِ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ﴾(یوسف: ۱۳) (تمہارے اس کو لے جانے سے مجھے ضرور رنج ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو۔)

اس طرح بھائیوں کو ایک موقع مل جاتا ہے، ایک بہانہ مل جاتا ہے، چناں چہ لے کر جاتے ہیں اور وہاں مشورہ ہوتا ہے کہ ان سے کیسے چھٹکارا پایا جائے؟ آخر کار مشورے کے بعد یہ طے ہوتا ہے کہ ان کو ایک کنویں میں ڈال دیا جائے، وہ خود ہی مر جائیں گے، چوں کہ حضرت یعقوب نے جس اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے تو بھائی وہی بہانہ بناتے ہیں اور ان کی قمیص کو کوئی جانور ذبح کرکے اس کے خون سے قمیص خون آلود کرکے رات کو لے کر آتے ہیں کہ ابا جان! ہم نے یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، ہم اپنے کام سے نکل گئے، بھیڑیا آیا اور بھائی یوسف کو کھا کر چلا گیا اور یہ دیکھئے! ان کی قمیص ہے جس پر بھائی کا خون لگا ہوا ہے۔

چور کوئی نہ کوئی نشان چھوڑ کر جاتا ہے تو انہوں نے بھی نشان چھوڑا۔ نشان یہ تھا کہ بھیڑیے نے بھائی کو کھایا، دانت مارے، گوشت نوچا لیکن قمیص کہیں سے پھٹی ہوئی نہیں تھی، اس پر صرف خون کے دھبے تھے۔ اس لیے حضرت یعقوب بات سمجھ گئے کہ یہ ان کو دھوکہ دیا جا رہا ہے، بے وقوف بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو ڈر تھا کہ یہ بھائی دشمنی نکالیں گے اور ان کو نقصان پہنچائیں گے، وہ ڈر حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

قصہ مزید آگے بڑھتا ہے، سات آٹھ سال کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے، ایک ویران اور اندھیرے کنویں میں پڑا ہوا ہے، جنگل و بیابان ہے، ویران علاقہ ہے، نہ کوئی آ رہا ہے نہ کوئی جا رہا ہے لیکن انتظام تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے، ان کے صبر کا امتحان ہو رہا ہے، چناں چہ تاجروں کا ایک قافلہ آتا ہے، کنواں دیکھ کر وہ لوگ پانی کے لیے ڈول ڈالتے ہیں، ڈول میں بجائے پانی کے وہ بچہ نکلتا ہے جو انتہائی حسین اور خوبصورت تھا۔ خوبصورتی میں حضرت یوسف کی مثال دی جاتی ہے۔ قافلے والے جنہوں نے ڈول ڈالا تھا اور ڈول میں پانی کے بجائے بچہ نکلا تھا تو وہ بہت خوش ہو گئے، یہ اتنا خوبصورت، اتنا صحت مند، چہرے مہرے سے اتنا شریف نظر آنے والا بچہ کسی اعلیٰ خاندان کا بچہ نظر آ رہا ہے، ہمیں اس کے منہ مانگے دام ملیں گے، کیونکہ اس زمانہ میں بچے اور غلام فروخت ہوا کرتے تھے تو قافلے والوں نے سوچا کہ یہ تو بڑا اچھا کاروبار ہو جائے گا، جو نفع ہمیں اس تجارت میں ہوتا وہ تو یہ ایک بچہ ہی دے جائے گا، چنانچہ قافلے والے حضرت یوسف کو لے کر بازار پہنچتے ہیں پھر بکتے بکتے حضرت یوسف عزیز مصر کے پاس پہنچتے ہیں۔ یہ آزمائش چل رہی ہے، بھائیوں کی دشمنی ہوئی، کنویں میں ڈالا جانا۔

غور کیجیے! جب ان کو کنویں میں ڈالا گیا ہوگا تو اس وقت اس بچے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ایک وقت وہ آئے گا کہ تم ان بھائیوں کو بتاؤ گے کہ انہوں نے کیا کیا تھا؟ گویا اس بات کی بشارت دے دی گئی کہ ان شاءاللہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

کامیابی کے دو ستون

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''جو کسی صحیح مقصد کے لیے کہیں اپنی زندگی کا کوئی وقفہ، کوئی مدت صرف کریں، وہ کسی راہ کے مسافر ہوں اور کسی کارواں کے شریک ہوں، ان کے لیے سب سے بڑھ کر کامیابی کی ضمانت دو چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نکلوایا ہے اور انسانی نسلوں کے لیے چھوڑا ہے، ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيِصْبِرْ﴾ کہ دو باتیں کرنی ہیں، خدا کی شان کے نامناسب چیزوں سے اور مقصد کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے پرہیز و احتیاط اور مقصد کے حصول کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کو برداشت کرنا، بس اس کے بعد کیا مقام و مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اس کا تعلق اللہ سے ہے، ہم سے نہیں۔''

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حرام اور مشتبہ مال سے بچنے کا مزاج اسی وقت بنتا ہے جب آدمی اپنے دل پر محنت کرے، جب تک دل قابو میں نہیں آتا' اس وقت تک حالات بھی قابو میں نہیں آتے اور جب دل قابو میں آتا ہے تو حالات بھی قابو میں آتے ہیں، سارا فیصلہ دل سے ہوتا ہے، حدیث شریف میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اچھی طرح سن لو کہ جسم میں ایک مضغۂ گوشت ہے، اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔'' (صحیح بخاری: ۵۲)

میں اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ دل کی حیثیت بادشاہ کی ہے اور دماغ کی حیثیت وزیر اعظم کی ہے، دل حکم دیتا ہے اور دماغ اس کی تنفیذ کرتا ہے، دل گویا مالک ہے اور دماغ قوت منفذہ ہے، دل جو حکم صادر کرتا ہے' دماغ اس کو نافذ کرنے کی تدبیریں کرتا ہے اور اسباب فراہم کرتا ہے، اصل حیثیت دل کی ہے، آپ ﷺ نے اسی لیے یہ بات فرمائی کہ اگر دل ٹھیک ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے، فیصلے دل ہی کرتا ہے، عام بول چال میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے کہ دل چاہتا ہے اور کبھی دل نہیں چاہتا، اب اگر کسی کام کو کرنے کا دل چاہتا ہے تو دماغ اس کے لیے اسباب فراہم کرتا ہے اور اگر دل نہیں چاہتا تو دماغ اس کے برخلاف دوسرا طریقہ اختیار کر لیتا ہے اور دل کے مطابق کام کرنا شروع کر دیتا ہے، حاصل یہ کہ اصل فیصلہ دل کا چلتا ہے۔

جسم میں خون کی پوری سپلائی بھی دل ہی کرتا ہے، اگر وہ اپنی سپلائی بند کر دے تو آدمی کو ہارٹ اٹیک آ جاتا ہے، گویا جسم ظاہری طور پر بھی دل سے متعلق ہے اور باطنی طور پر بھی پوری طرح دل ہی سے متعلق ہے، دل فیصلہ کرتا ہے تو آدمی آنکھ کھول کر دیکھتا ہے، اس کا جی چاہتا ہے بند کر لے تو آنکھ بند کر لیتا ہے، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء دل کی منشا کے مطابق ہی کام کرتے ہیں، اسی لیے دل پر محنت کرنے کی اصل ضرورت ہے، اگر آدمی کا دل صحیح ہے تو سب صحیح ہے، ورنہ اس کی پوری زندگی بگڑتی چلی جاتی ہے۔

تقویٰ کا مزاج پیدا کرنے کے لیے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کے لیے جو چیز سب سے بڑھ کر معاون ہے' وہ دل ہے اور اسی پر محنت کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے تھے کہ دل کی مثال زمین کی ہے، جس طرح زمین پر کاشت کی جاتی ہے، ٹھیک اسی طرح دل پر بھی کاشت کرنی پڑتی ہے، کاشت کرنے کے لیے پہلے زمین پر محنت کرنی پڑتی ہے، ہل چلانا پڑتا ہے، بنجر زمین کو کاشت کے قابل بنانا پڑتا ہے، زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے اور بیج ڈالنے پڑتے ہیں، تب وہ زمین کاشت کے لائق بنتی ہے، اسی طرح اللہ نے ہمیں دل کی جو زمین دی ہے، اس پر بھی ہمیں محنت کرنے کی ضرورت ہے، اس پر کاشت کرنے کے لیے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے، اگر زمین بنجر ہے تو اس کو کاشت کے قابل بنانا پڑتا ہے، اس کے بعد بیج ڈالا جائے گا، اس میں پانی دیا جائے گا، اس کے بعد جب اکھوا نکل آئے گا تو نرائی کی ضرورت ہوگی جس کو ''حشائش شیطانیہ'' کہتے ہیں یعنی وہ گھاس جو کسی کام کی نہیں ہوتی، اس کو بھی نکالنا پڑے گا تاکہ زمین کی توانائی اصل پودے میں منتقل ہو، اسی طرح دل کی زمین پر بھی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

دل کی زمین پر جو محنت ہوتی ہے، وہ ذکر اور تربیت سے ہوتی ہے، تربیت کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے کسی نیک بندے کے پاس رہے، اس سے سیکھے اور اس سے معلوم کرے، بعض مرتبہ آدمی اپنی خامیوں کو نہیں جانتا، وہ بہت سے کام غلط کرتا ہے اور ان کو اچھا سمجھتا ہے، جب کہ وہ چیزیں حقیقت میں صحیح نہیں ہوتی ہیں، اس لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو مربی ہو اور وہ اصلاح کر سکتا ہو، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگر آدمی بغیر اصلاح کے ترقی کرنا چاہے اور کاموں میں آگے بڑھنا چاہے تو یہ اس کے لیے پوری طرح ممکن نہیں۔ آدمی علم کے میدان میں اگر آگے بڑھے تو اس میں بھی معلم کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن اس کے لیے تنہا وہ علم کافی نہیں' جب تک اس کے اندر روشنی پیدا نہ ہو اور اس روشنی کو پیدا کرنے کے لیے شرط ہے کہ آدمی کا دل حقیقت میں دل بنے۔

دل کو دل بنانے کے لیے پہلی شرط اللہ کا ذکر ہے اور دوسری شرط صحبت با اہل دل ہے، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ فرماتے تھے کہ اس وقت دنیا میں جو کچھ بھی انتشار و بگاڑ ہے، اگر اس کے اسباب پر غور کیا جائے تو بنیادی طور پر اس کے دو سبب ہیں: اخلاص نہیں اور اخلاق نہیں۔

اخلاص اور اخلاق دو ایسی چیزیں ہیں جن کے نہ ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں ایک انتشار نظر آتا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ اخلاص و اخلاق کو پیدا کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت پیدا کی جائے اور اللہ کی محبت کو پیدا کرنے کی شرط یہ ہے کہ ذکر کی کثرت ہو اور اہل اللہ کی صحبت ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ اس وقت سماج میں جو جھگڑے ہیں، دینی اداروں اور کاموں میں جو جھگڑے ہیں، اگر غور کیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایک بڑا اور بنیادی سبب اخلاص نہ ہونا ہے، آدمی کام کرتا ہے تو اپنے لیے اور اپنے نام کے لیے کرتا ہے، یہاں تک کہ اپنے ادارے کے لیے کرتا ہے۔ یاد رکھیں! یہ چیزیں ہرگز مقصود نہیں ہیں، اگر کوئی آدمی محض اپنے ادارے کے لیے کام کر رہا ہے تو ظاہر ہے وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے، جو کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اللہ کے یہاں وہی کام مقبول ہوتا ہے، اس لیے اخلاص کا ہونا بہت ضروری ہے اور یہ جب ہی پیدا ہوگا جب اللہ کا ذکر ہوگا اور اہل اللہ کی صحبت حاصل ہوگی۔

اخلاص کا اصل محل دل ہے، دل سے اخلاص پیدا ہوتا ہے، اگر آدمی کے اندر اخلاص ہوگا تو اللہ کے یہاں اس کے کام مقبول ہوں گے، قرآن مجید میں آپ ﷺ کے بارے میں یہ بات کہی گئی کہ
"کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا پالنہار ہے۔"

ظاہر ہے یہ بات آپ ﷺ کی زبانی امت کو بتانے کے لیے کہلوائی گئی تاکہ پتہ چل سکے کہ بڑے سے بڑے کاموں میں بھی اعمال کی قبولیت کے لیے اخلاص شرط ہے، آدمی اللہ کے لیے کام کرے گا تو مقبول ہوگا ورنہ مقبول نہیں ہوگا، اخلاص سے کام کے اندر طاقت پیدا ہوتی ہے اور اس کا اصل محل دل ہے، جب دل پر محنت کی جائے گی تو اخلاص پیدا ہوگا ورنہ نہیں اور آدمی کے اخلاق بھی بلند نہیں ہوں گے۔

اگر آدمی کا دل اخلاص سے معمور ہو جائے تو کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہتا اور نہ آدمی کو اپنی بڑائی پسند ہوتی ہے، وہ یہی سوچتا ہے کہ اگر اللہ راضی ہے تو سب ٹھیک ہے، ورنہ کچھ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ دین کے تمام ادارے و مراکز جو ہمیں ظاہری طور پر کام کرنے کی جگہیں نظر آرہی ہیں، یہ سب اسباب و ذرائع ہیں اور اصل مقصود اللہ کی ذات ہے، اللہ کا دین اور اس کی دی ہوئی شریعت ہے، آدمی جب اللہ کے لیے کام کرے گا تو وہ کام مقبول ہوگا اور سب جھگڑے بھی ختم ہو جائیں گے، عام طور پر جھگڑے پیدا ہونے کا اصل سبب آدمی کی اپنی بڑائی ہوتی ہے کہ فلاں کو یہ چیز ملے اور فلاں کو یہ منصب ملے۔

بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی دین کی خاطر کسی کے مقابلہ پر آجاتا ہے، اسی لیے ایک حدیث میں یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے نفرت، اللہ کے لیے دینا اور اللہ کے لیے لینا' تکمیل ایمان کا راستہ ہے، اسی لیے بعض اوقات کسی وجہ سے اللہ کے لیے بغض بھی ہوتا ہے اور آدمی کے اندر یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ فلاں آدمی غلط ہے، لیکن یہ بات اپنے لیے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے دین کے لیے ہوتی ہے، مشاجرات صحابہ کو اگر آپ دیکھیں تو ان میں زیادہ تر ہر ایک کی اپنی اپنی رائے تھی، وہ لوگ اللہ کے لیے لڑے، اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی بعض بڑے لوگوں میں اس طرح کے نزاعات ہوئے ہیں اور اس لیے ہوئے ہیں کہ انھوں نے ایک بات صحیح سمجھی اور یہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت اس بات کی نکیر نہ کی گئی تو حالات مزید بگڑیں گے اور خطرہ ہے کہ کوئی گمراہی عام نہ ہو جائے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور بہت نازک بات ہے، ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی ذاتی جھگڑا کرے اور اس پر اللہ کے لیے کرنے کا عنوان لگا دے، اس لیے عام طور سے جھگڑے دنیا کے لیے ہوتے ہیں اور جاہ و منصب کے لیے ہوتے ہیں، اللہ کے یہاں یہ جھگڑے غیر محمود اور سخت ناپسندیدہ ہیں، آدمی کو غور کرنا چاہیے کہ وہ جو جھگڑا کر رہا ہے، وہ اپنے نفس کے لیے ہے یا اللہ کی رضا کے لیے؟! اگر اللہ کے لیے ہے تو وہ محمود ہے اور اگر نفس کے لیے ہے تو انتہائی مبغوض ہے، اللہ کو جو چیزیں سخت ناپسندیدہ ہیں' ان میں ایک یہ بھی ہے۔

عدت کے احکام

مفتی راشد حسین ندوی

عدت کے لغوی وشرعی معنی:

عدت کا لفظ: "عَدَّ یَعُدُّ عَدًّا وَتَعْدَاداً وَعِدَّةً: حسبها وأحصاها" (یعنی شمار کرنے) سے ماخوذ ہے، لہٰذا اس کے لفظی معنی مقدار اور شمار کرنے کے ہیں۔ (المعجم الوسیط، معجم الغنی، البحر الرائق:۴/۱۲۸)

اور شریعت کی اصطلاح میں عدت اس انتظار کو کہتے ہیں جو نکاح یا شبہ نکاح کے زائل ہونے پر عورت پر لازم ہوتا ہے۔
(البحر:۴/۱۳۸، ہندیہ:۱/۵۲۶)

عدت کی مصلحت اور حکمت:

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے عدت کی تین اہم مصلحتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- پہلی یہ کہ اس کے گزارنے سے بالکل یقینی طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ عورت کا رحم اس کے نطفہ سے خالی ہے، اس سے نسب کے اختلاط کا خطرہ دور ہوجاتا ہے۔

۲- عدت سے نکاح کے معاملہ کی اہمیت معلوم ہوجاتی ہے، چنانچہ کرتے وقت مجمع ہونا چاہیے اور زائل ہوتے وقت طویل مدت تک انتظار ہونا چاہیے۔

۳- عدت سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اس عقد کو ختم کرنے پر سنجیدہ ہے، اس نے یہ قدم جلد بازی میں نہیں اٹھایا ہے وغیرہ۔
(حجۃ اللہ البالغہ:۲/۲۱۹-۲۲۰، شاملہ)

عدت کے احکام:

طلاق کی عدت کب واجب ہوتی ہے؟

عورت پر طلاق کی صورت میں عدت اسی وقت واجب ہوتی ہے جب شوہر نے بیوی کو خاص تعلق کے بعد یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو، اگر یہ دونوں چیزیں نہ پائی گئیں اور شوہر نے طلاق دے دی تو عورت پر عدت واجب نہ ہوگی، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾

(الأحزاب: ٤٩)

(اے ایمان والو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں ہے جس کی گنتی تمھیں شمار کرنی پڑے، بس تم انھیں کچھ دے دلا دو اور اچھی طرح رخصت کرو۔)

اور ہاتھ لگانے یعنی صحبت کرنے ہی کے حکم میں وہ صورت بھی ہے جب خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو، اس لیے کہ حضرت عمر اور کئی صحابہ کرام سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

’’جب شوہر دروازہ بند کرلے اور پردہ برابر کردے تو عورت کے لیے مہر واجب ہوجائے گا، اس پر عدت لازم ہوجائے گی اور عورت کو میراث ملے گی۔‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳/۳۵۱، دار قطنی: ۳۷۷۹، مؤطا، کتاب النکاح، باب ارخاء الستور: ۱۵۰۷، البحر الرائق:۴/۱۴۰، ہدایہ مع الفتح:۴/۳۰۷، ہندیہ:۱/۵۲۶)

حائضہ غیر حاملہ کی عدت:

جس عورت کو حیض آتا ہو، اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت طلاق تین حیض ہے، چنانچہ اگر طہر میں طلاق دی گئی تو اس کے بعد جب تین ماہواریاں آجائیں تبھی عدت ختم ہوگی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ..﴾

(البقرة: ٢٢٨)

(اور مطلقہ عورتیں اپنے بارے میں تین دور تک انتظار کریں)

اور اگر حالت حیض میں طلاق دی تو اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا۔

طلاق کی عدت طلاق دیتے ہی شروع ہو جاتی ہے، اگر عورت کو تاخیر سے طلاق کی خبر ملے تو طلاق کے وقت سے ہی عدت کی شروعات مانی جائے گی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۲۶)

یہاں تک کہ اگر طلاق کے وقت سے تینوں حیض گزرنے کے بعد خبر ملے تو عدت ختم مانی جائے گی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۲۶-۵۲۷)

غیر حائضہ غیر حاملہ کی عدت:

اگر کسی عورت کا حیض عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا، یا ابھی اس کو حیض آنا شروع نہیں ہوا اور شوہر نے اس کو طلاق دے دی تو اس کی عدت طلاق تین مہینے ہوگی، اگر شوہر نے چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ کو دی ہو تو یہ مہینے خواہ ۲۹/ دن کے ہوں یا ۳۰/ دن کے، پورے تین مہینے عدت گذارے گی، خواہ دن کے ابتدائی حصے میں طلاق دی ہو یا عصر بعد غروب سے پہلے دی ہو اور اگر مہینے کی کسی درمیانی تاریخ کو طلاق دی ہو تو اب وہ عدت ایام سے گزارے گی، یعنی ہر مہینے کو ۳۰/ دن کا شمار کر کے پورے نوے دن عدت گزارے گی، اس کی عدت کا ذکر قرآن مجید میں صراحت سے آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاللَّائِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ ......﴾ (الطلاق: ٤)

(اور تمہاری جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہو، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور (یہی عدت) ان عورتوں کی بھی ہے جن کو حیض آیا ہی نہیں۔) (دیکھئے: ہندیہ: ۱/ ۵۲۷، ہدایہ مع الفتح: ۴/ ۳۰۹)

حاملہ عورت کی عدت:

اگر عورت کو شوہر نے طلاق دی اور وہ عورت طلاق کے وقت حمل کی حالت میں تھی تو اس کی عدت وضع حمل (یعنی بچے کی پیدائش) ہے، خواہ بچہ کی پیدائش جلد ہو جائے، یا اس میں آٹھ نو مہینے لگ جائیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ کی عدت بتاتے ہوئے صراحت سے ارشاد فرمایا:

﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

(الطلاق: ٤)

(اور جو حاملہ عورتیں ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ ان کو وضع حمل ہو جائے۔) (دیکھئے: شامی: ۳/ ۵۷، ہدایہ مع الفتح: ۴/ ۳۱۲)

اگر کسی عورت کے ایک بچہ کی پیدائش کے چھ مہینے سے پہلے دوسرا بچہ پیدا ہوا تو اس کو جڑواں مانا جائے گا اور دوسرے بچہ کی پیدائش کے بعد ہی عدت ختم ہوگی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۲۹، فتاویٰ قاضی خاں: ۱/ ۳۴۷)

جب وقت سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے:

اگر کسی حاملہ کو طلاق دی گئی، ظاہر ہے کہ اس کی عدت وضع حمل تھی جیسا کہ اوپر بتایا گیا لیکن وہ حمل ایک دو ماہ ہی کا تھا اور بچہ کے اعضاء میں سے ابھی کچھ بنا نہیں تھا کہ وہ ساقط ہو گیا، وہ اس کا اسقاط کرا دیا گیا، تو اس سے عدت پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کے بعد جو خون جاری ہوا اس کو ایک حیض مانا جائے گا پھر اس کے بعد جب مزید دو حیض آ جائیں تب عدت پوری ہوگی۔

لیکن اگر بچہ کے کچھ اعضاء بن چکے ہیں مثلاً: انگلی، یا ہاتھ، یا پیر یا ناخن یا بال تو اس کے ساقط ہونے یا اس کا اسقاط کرانے سے عدت پوری ہو جائے گی، اس لیے کہ حکماً یہ بچہ ہی ہے، چار مہینے مکمل ہونے پر اعضاء کی تخلیق ہو جاتی ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے بھی بعض اعضاء بن سکتے ہیں، لہٰذا چار ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی، اس سے پہلے ڈھائی تین مہینے ہوئے ہوں تو دیکھنا پڑے گا کہ بعض اعضاء بنے ہیں یا نہیں؟! (شامی: ۳/ ۵۱۱)

غیر حاملہ عورت کی عدت وفات:

اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو قرآن مجید میں صراحت سے آیا ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہوگی، خواہ شوہر نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو..... (بقیہ صفحہ ۱۸/ پر)

آب نائے ہرمز کی اہمیت

سید محمد مکی حسنی ندوی

آب نائے ہرمز دنیا کی ان چند جغرافیائی گزرگاہوں میں سے ایک ہے جو بظاہر ایک سادہ سمندری راستہ معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت عالمی سیاست، معیشت اور عسکری حکمت عملی کے پیچیدہ جال کا مرکز ہیں۔ عام طور پر اس کو صرف تیل کی ترسیل کے حوالے سے جانا جاتا ہے، مگر اس کے ساتھ جڑی کئی ایسی حقیقتیں بھی ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل رہتی ہیں۔ موجودہ عالمی حالات، خاص طور پر مشرق وسطیٰ کی کشیدگی، بڑی طاقتوں کی رقابت اور توانائی کی سیاست کے تناظر میں ان پوشیدہ پہلوؤں کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

اکثر لوگ آب نائے ہرمز کو صرف ایک تجارتی راستہ سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ عالمی طاقت کے توازن کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس پر کنٹرول یا اثر و رسوخ رکھنے کا مطلب ہے کہ عالمی توانائی کی فراہمی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت حاصل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی طاقتیں، خصوصاً امریکہ، چین اور یورپی ممالک، اس خطے میں اپنی موجودگی برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک غیر معروف حقیقت یہ بھی ہے کہ اس آب نائے کی اہمیت صرف تیل تک محدود نہیں بلکہ قدرتی گیس، پیٹرولیم، مصنوعات اور دیگر تجارتی سامان بھی بڑی مقدار میں اسی راستے سے گزرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بحری مواصلات اور عالمی سپلائی چین کے لیے بھی ایک کلیدی مقام رکھتی ہے۔

آب نائے ہرمز کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی تنگی ہے۔ اگرچہ اس کی کل چوڑائی تقریباً 33 ر کلومیٹر ہے، مگر جہازوں کے گزرنے کے لیے مخصوص راستے صرف چند کلومیٹر چوڑے ہیں۔ یہ تنگی اسے ایک ''چوک پوائنٹ'' (Choke Point) یعنی ''تنگ گزرگاہ'' بناتی ہے۔

یہاں ایک اہم مگر کم زیر بحث حقیقت یہ ہے کہ اس تنگی کی وجہ سے کسی بھی چھوٹے پیمانے کی عسکری کارروائی بھی بڑے اثرات پیدا کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر چند بارودی سرنگیں، محدود میزائل حملے یا حتیٰ کہ چند بحری کشتیوں کی نقل و حرکت بھی عالمی سطح پر خوف و ہراس پیدا کر سکتی ہے اور تیل کی قیمتوں میں فوری اضافہ کر سکتی ہے۔

موجودہ حالات میں آب نائے ہرمز میں کھلی جنگ کم اور ''خاموش جنگ'' زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس میں سائبر حملے، ڈرون نگرانی، بحری مشقیں اور محدود جھڑپیں شامل ہیں۔ یہ تمام سرگرمیاں ایک دوسرے پر دباؤ ڈالنے کے لیے کی جاتی ہیں، بغیر اس کے کہ مکمل جنگ کی جائیں۔ اکثر اوقات محض بیانات اور دھمکیاں ہی عالمی منڈیوں کو متاثر کر دیتی ہیں۔ ایران کی جانب سے آب نائے ہرمز بند کرنے کی دھمکی یا امریکہ کی جانب سے سخت ردعمل کا اعلان بغیر کسی عملی اقدام کے بھی تیل کی قیمتوں کو متاثر کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مختصر سے بحری راستے کی طاقت صرف جغرافیہ میں نہیں بلکہ نفسیات میں بھی ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کا تقریباً 20 ر فیصد تیل آب نائے ہرمز سے گزرتا ہے، مگر اس کے علاوہ بھی کئی ایسی صنعتیں ہیں جو بالواسطہ طور پر اس پر انحصار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر شپنگ انڈسٹری، انشورنس کمپنیاں، اور عالمی مالیاتی منڈیاں۔ اگر آب نائے ہرمز میں کشیدگی بڑھ جائے تو انشورنس کے نرخ (insurance premiums) میں فوری اضافہ ہو جاتا ہے جس سے شپنگ کی لاگت بڑھ جاتی

ہے۔اس کا اثر صرف تیل پر نہیں بلکہ عام اشیاء کی قیمتوں پر بھی پڑتا ہے کیونکہ عالمی تجارت کا بڑا حصہ سمندری راستوں پر منحصر ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پائپ لائنز اور متبادل بندرگاہیں آب نائے ہرمز کا مکمل متبادل بن سکتی ہیں، مگر حقیقت اس سے مختلف ہے۔ اگرچہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے کچھ متبادل راستے تیار کیے ہیں لیکن ان کی گنجائش محدود ہے۔

یہ ایک اہم مگر کم بیان کی جانے والی حقیقت ہے کہ دنیا کی توانائی کی موجودہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آب نائے ہرمز کا کوئی مکمل متبادل موجود نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عالمی معیشت اب بھی اس ایک تنگ راستے پر بڑی حد تک انحصار کرتی ہے۔

آب نائے ہرمز کے حوالے سے زیادہ تر باتیں سیاست اور معیشت تک محدود رہتی ہیں، مگر ماحولیاتی خطرات بھی کم اہم نہیں۔ تیل بردار جہازوں کی بڑی تعداد، ممکنہ حادثات اور عسکری سرگرمیاں سمندری ماحول کے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔ اگر کسی بڑے تیل بردار جہاز کو نقصان پہنچے یا تیل کا اخراج ہو جائے تو اس کے اثرات نہ صرف مقامی سمندری حیات بلکہ عالمی ماحولیاتی نظام پر بھی پڑ سکتے ہیں۔اس کے باوجود اس پہلو پر عالمی سطح پر نسبتاً کم توجہ دی جاتی ہے۔

آب نائے ہرمز کے گردونواح میں موجود ممالک کے درمیان تعلقات ہمیشہ سیدھے سادے نہیں ہوتے۔ بظاہر دشمنی کے باوجود بعض اوقات خفیہ تعاون بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔مثال کے طور پر ایران اور خلیجی ممالک کے درمیان کشیدگی کے باوجود بعض اقتصادی اور تجارتی روابط برقرار رہتے ہیں۔ اسی طرح بڑی طاقتیں بھی ایک طرف کشیدگی کو بڑھاتی ہیں تو دوسری طرف پس پردہ مذاکرات کے ذریعے اسے کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہ پیچیدہ تعلقات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ آب نائے ہرمز صرف ایک جغرافیائی مقام نہیں بلکہ ایک ایسا اسٹیج ہے جہاں عالمی سیاست کے کئی کردار بیک وقت مختلف کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں آب نائے ہرمز ایک نازک دور سے گزر رہا ہے۔ایک طرف ایران اور مغربی ممالک کے درمیان کشیدگی ہے تو دوسری طرف عالمی معیشت کو مستحکم رکھنے کی ضرورت بھی۔تمام فریق اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آب نائے ہرمز کی بندش کسی ایک ملک کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو متاثر کرے گی۔ اسی لیے کشیدگی کے باوجود ایک غیر اعلانیہ حد برقرار رکھی جاتی ہے۔

دنیا آہستہ آہستہ متبادل توانائی کے ذرائع جیسے بجلی، شمسی اور ہوائی توانائی کی طرف بڑھ رہی ہے۔اس تبدیلی کے باعث یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا مستقبل میں آب نائے ہرمز کی اہمیت کم ہو جائے گی؟

اس کا جواب مکمل طور پر ہاں میں نہیں ہے، اگرچہ متبادل توانائی کا استعمال بڑھ رہا ہے لیکن تیل اور گیس کی مانگ اب بھی بہت زیادہ ہے، خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں، اس لیے ایک طویل مدت تک آب نائے ہرمز کی اہمیت برقرار رہنے کا امکان ہے۔

البتہ توانائی کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس آب نائے کی سیاسی اہمیت کا رخ بھی بدل سکتا ہے۔ مستقبل میں یہ صرف تیل نہیں بلکہ دیگر وسائل اور تجارتی راستوں کے حوالے سے بھی اہم ہو سکتی ہے۔

آب نائے ہرمز ایک ایسا جغرافیائی مقام ہے جس کی اہمیت کو صرف اس کی ظاہری حیثیت سے نہیں سمجھا جا سکتا۔اس کے پیچھے کئی ایسی حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں جو عالمی سیاست، معیشت اور عسکری حکمتِ عملی کو متاثر کرتی ہیں۔

موجودہ حالات میں یہ بحری راستہ ایک نازک توازن کی علامت ہے جہاں کشیدگی اور تعاون دونوں بیک وقت موجود ہیں۔اس کے متعلق نامعلوم یا کم معلوم حقیقتوں کو سمجھنا نہ صرف علمی اعتبار سے اہم ہے بلکہ عالمی حالات کو بہتر طور پر جاننے کے لیے بھی ضروری ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک دنیا توانائی کے موجودہ ذرائع پر انحصار کرتی رہے گی، آب نائے ہرمز کی اہمیت برقرار رہے گی اور اس کے گرد گھومتی ہوئی سیاست، معیشت اور طاقت کی کشمکش بھی جاری رہے گی۔

طلبہ دین کی ذمہ داری اور تقاضے

محمد نجم الدین الرحیمی ندوی

مدارس اسلامیہ اور مکاتب دینیہ اس زمانہ میں دین وملت کے آہنی حصار اور امت مسلمہ کے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتے ہیں، مدارس اسلامیہ ومعاہد عربیہ کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، اپنے کیا' غیروں کے نزدیک بھی ان مدارس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت وکردار مسلم ہے، اسی لیے یہ دشمنان اسلام اور اغیار کے نشانے پر ہمیشہ رہتے ہیں، یہ مدارس جس قدر مضبوط اور مستحکم ہوں گے اُسی قدر امت مسلمہ کو تقویت پہنچاتے رہیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امت کی قیادت وامامت، تعلیم وتربیت اور اصلاح ودعوت نیز دین حق کی تشہیر وتبلیغ اور اس کے احکام ومطالبات کی تعمیل وتبلیغ کے سلسلہ میں مدارس کا کردار اہم رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی ہے اور آنے والے ادوار میں بھی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ آج کے اس گئے گزرے دور اور ناگفتہ بہ حالات میں بھی اہل ایمان کی نگاہیں مدارس اسلامیہ کی طرف اُٹھتی ہیں اور اُن کا اِن مدارس سے توقعات رکھنا عین فطری ہے۔

علمائے اسلام اور طلبہ دین امت مسلمہ کے قلب ودل ہیں، حدیث شریف میں قلب کا یہ حال بتایا گیا ہے کہ

"ألا وإن في الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب" (صحيح البخاري ومسلم)

(جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا موجود ہے، اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوگا اور اگر وہ ٹھیک نہیں ہے تو جسم کی خیریت نہیں یعنی جسم کا سارا نظام بگڑ جائے گا، ہاں سنو! وہ قلب ہے۔)

علماء اور طلبہ دین اگر امت کا قلب ہیں اور یقیناً قلب ہیں تو علماء وطلبہ میں فساد ہو تو امت میں فساد طبقہ قلب سے بڑھ کر ہوگا اور اگر ان میں خیر وبھلائی اور صلاح ہے تو امت میں صلاح ہوگا اور فساد سے بھی حفاظت ہوگی۔ بخاری کی ایک مشہور روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمانا چاہا ہے کہ امت میں دو طبقے ہیں: ایک اعلیٰ طبقہ ہے اور دوسرا ادنیٰ طبقہ۔ یہ دونوں طبقے ہر میدان میں رہیں گے، ایک اعلیٰ طبقہ ہوگا اور دوسرا ادنیٰ طبقہ ہوگا تو علم والا طبقہ بھی اعلیٰ طبقہ ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ اس طبقہ میں کسی طرح کا فساد اور بگاڑ نہ آئے۔

امام بغویؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم ومحدث اور مفسر تھے، انہیں محی السنہ کہا جاتا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ علوم شرعیہ کے دو اقسام ہیں؛ (۱) علم الاصول (۲) علم الفروع۔

علم الاصول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات واوصاف اور انبیاء ورسل کی تصدیق کا علم اور یہ ہر ہوش مند اور بالغ انسان پر فرض عین ہے، قرآن میں پچاسوں نہیں' سیکڑوں آیات اس علم کی نسبت موجود ہیں اور دوسرا علم الفروع ہے جسے احکام دین وشریعت کا علم کہا جاتا ہے، اس علم کی دو قسمیں علماء نے بیان کی ہیں: ایک فرض عین ہے اور دوسرا فرض کفایہ۔ فرض عین والے علم کا حصول لازم وضروری ہے۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ ایک شخص اتنا علم حاصل کرے کہ وہ صاحب فتویٰ وراسخ فی العلم ہوجائے اور عوام وکم درجہ کے خواص بھی اس کی طرف رجوع کریں، اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے کہ

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

(النحل:٤٣)

(اگر تم کو حقیقت معلوم نہیں تو اہل علم سے معلوم کرو۔)

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں ادنیٰ درجہ کا شبہ بھی نہیں کہ آدمی کے لیے اسلام کے ارکان کا سیکھنا ضروری ہے،

اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اصول دین سیکھنے کے بعد وضو، غسل، نماز، روزہ کے احکام ومسائل اور مال دار پر زکوٰۃ کے احکام اور صاحب حیثیت پر حج کے احکام ومسائل کا سیکھنا لازم اور ضروری ہے اگر نہیں سیکھے گا تو گنہگار ہوگا اور اخلاص کا سیکھنا بھی اُسی طرح ضروری ہے، کیوں کہ اعمال کی صحت ودرستی کا مدار اخلاص پر موقوف ہے اور حلال وحرام کا جاننا بھی لازم وفرض ہے، اسی طرح سے خرید وفروخت کے مسائل اور نکاح وطلاق کے مسائل واحکام کا سیکھنا اور ان مسائل کا جاننا ضروری ہے، اس علم کو اصطلاح میں ''فرض عین'' کہتے ہیں، اس علم کے حصول کے لیے کسی مدرسہ میں باقاعدہ داخلہ کی ضرورت ہے اور نہ اپنا پورا وقت اس کے لیے فارغ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ علماء کی صحبت میں رہ کر اتنا علم حاصل کرسکتا ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کے لیے کسی بھی عالم دین سے تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور جیسی کتاب پڑھ لے تو فرض علم اسے حاصل ہوجائے گا۔ اسی علم کی بابت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم، وفي رواية ضعيفة: ومسلمة."

اس علم کو حاصل کرنے والا اور اس پر اکتفا کرنے والا احادیث فضائل علم واہل علم کے زمرے میں نہیں آتا اور ایسے کو عالم دین بھی نہیں کہا جائے گا۔

اس کے برخلاف ایک قسم علم کی فرض کفایہ کی ہے اور اس علم کو حاصل کرنے والا عالم دین کہلاتا ہے اور وہ ان تمام فضائل ومناقب کا مستحق ہے جن کا ذکر اوپر ہم نے کیا تھا اور عالم دین وہ ہے جو اس فرض علم کی جزئیات وتفصیلات اور ان کے دلائل اور براہین اور نصوص ومتون پر حاوی ہو اور ایسے مسئلوں کا جواب دے سکے جو نادر الوجود ہوں اور کبھی کبھی پیش آتے ہوں اور جو مسلمانوں میں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر غیر مسلموں میں بھی بصیرت وحکمت کے ساتھ تحریراً اور تقریراً دین کی دعوت وتبلیغ اور اس کی اشاعت کی بالفعل اور بالقوہ صلاحیت واستعداد رکھتا ہو جسے علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ دونوں میں کمال حاصل ہو اور بصیرت ومعرفت کے ساتھ خود بھی عمل کرتا ہو اور عبادت کرتا ہو اور دوسروں کو گفتار وکردار اور قول وفعل سے اس عبادت کی دعوت دیتا ہو، ایسا عالم اصطلاح میں عالم دین کہا جاتا ہے اور اس قدر علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ ایسا علم ہر شخص پر فرض نہیں، اگر کسی علاقہ کے اتنے افراد اس علم کو حاصل کرلیں جن سے عام اہل ایمان واسلام کی عملی ضرورت پوری ہوتی ہو تو اس علاقہ کے لیے وہ کافی ہے، علم کے اس درجہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور یاد رکھئے کہ فرض عین یعنی ضروری علم کے سلسلہ اور اس کی بقا کا مدار بھی اسی قدر علم والے علماء کے ساتھ وابستہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(التوبة:۱۲۲)

(اور یہ تو نہیں کہ مسلمان سب ہی نکل کھڑے ہوں تو کیوں نہ ہر طبقہ میں سے ایک جماعت نکل پڑے تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے اور تاکہ اپنی قوم کو جب ان کے پاس وہ واپس آئے تو خبردار کرے شاید وہ باز رہیں۔)

اہل علم کی مثال رسول اللہ ﷺ نے کنویں سے نہیں بلکہ بارش سے دی ہے، بارش بلانے والے پر بھی برستی ہے اور نہ بلانے والے پر بھی برستی ہے، بارش اپنوں پر بھی برستی ہے اور غیروں پر بھی برستی ہے، بارش بنجر زمین پر بھی برستی ہے اور اچھی زمین پر بھی برستی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ بارش مفید بھی ہوتی ہے اور مضر بھی، ہمیں مفید ونافع بارش کی مثال بن کر مدارس کی چہار دیواری سے تیار ہوکر جانا چاہیے، اس کے لیے ضروری ہے کہ کم ہمتی کو ترک کیا جائے، کاہلی اور سستی کو پاس بھٹکنے نہ دیا جائے، کسل مندی بہت بڑی بیماری اور جان لیوا مرض ہے، آج علم کے وسائل واسباب بہت ہیں، مگر پست ہمتی اور کسل نے جذبوں کی انگیٹھی کو سرد ہونے دیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

محمد امین حسنی ندوی

’’یہ ملک مسلمانوں کا نہیں، مسلمانوں کو یہاں سے نکال باہر کرو، یہ ملک کے غدار ہیں، اگر مسلمانوں کو اس ملک میں رہنا ہے تو یہاں کے کلچر میں ان کو ضم ہونا ہوگا، اپنا اسلامی تشخص چھوڑنا ہوگا، اپنی روشن تہذیب سے دست بردار ہونا ہوگا، اپنے خوبصورت اور تاب ناک ماضی سے تعلق منقطع کرنا ہوگا، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ٹھیک ورنہ ہم ان کو مسل دیں گے، اس ملک سے بے عزت کر کے نکال باہر کریں گے، ان کے دینی شعائر کی ادائیگی سے ان کو روک دیں گے، اذانوں پر روک لگا دیں گے، مسجدوں کو مسمار کر دیں گے، نوجوانوں کو پابند سلاسل کر دیں گے، ان کے گھروں کو ملبہ میں تبدیل کر دیں گے۔‘‘

یہ دھمکیاں آئے دن مسلمانوں کو دی جاتی ہیں، پہلے دبے لہجے میں دی جاتی تھیں، اب اعلانیہ دی جاتی ہیں، پہلے چند سر پھرے ایسی زبان استعمال کرتے تھے، اب اقتدار کی کرسی پر متمکن اور قانون کے رکھوالے یہی زبان استعمال کر رہے ہیں۔

دھمکیوں کی یہ زبان ہر زمانے میں اور ہر دور میں اسلام کے ماننے والوں کو سننا پڑی ہے، لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں بہتر رہا، ہر دور کے سر پھرے، عقل سے ماوراء اور تکبر میں مبتلا افراد نے اپنے دور کے پیغمبروں کے سامنے اور ان کے ماننے والوں کے سامنے یہی لہجہ اختیار کیا، قرآن کریم اس کی منظر کشی کرتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا‌ ؕ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ الظّٰلِمِيۡنَ ☆ وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ ؕ ذٰ لِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِىۡ وَخَافَ وَعِيۡدِ ☆ وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ﴾ (ابراھیم: ۱۳-۱۵)

(اور انکار کرنے والوں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال کر رہیں گے، یا تو تم ہماری ہی ملت میں واپس آجاؤ، تو ان کے رب نے ان کو وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے اور ان کے بعد ملک میں یقیناً ہم تم ہی کو بسائیں گے، یہ اس کو ملتا ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو اور انھوں نے فیصلہ چاہا اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر سرکش ضدی نے منہ کی کھائی۔)

جو نہیں ماننے والے تھے، ضدی تھے، ہٹ دھرم تھے، منکر تھے، انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا تھا: ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے، یا تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا پڑے گا، ہماری تہذیب کو قبول کرنا پڑے گا، ہماری روایات کو ماننا پڑے گا، ہمارے طور طریق کو اپنانا پڑے گا، خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو یہ پیام دیا کہ ہم ان ظالموں کو تباہ و برباد کر دیں گے پھر اس کے بعد ملک تم کو سونپ دیں گے، تم کو بسا دیں گے، یہ خوش خبری ان لوگوں کے لیے ہے جن کو اس بات کا خوف ہے کہ کل ان کو ہمارے حضور حاضر ہونا ہے، جواب دہ ہونا ہے، جن کو ہمارے عذاب کا ڈر ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور اس میں جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ موجودہ بین الاقوامی اور ملکی حالات کی کی گئی ہے، کہنے والے ضدی، ہٹ دھرم، کہنے والے اوباش، کہنے والے قاتل اور مجرم یوں کہہ رہے ہیں امن و سلامتی کے علم برداروں سے، اخلاق و انسانیت کے محشر برداروں سے ﴿لَنُخۡرِجَنَّكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ﴾ تمہارے پاس دو آپشن ہیں: یا تو ہماری دیومالائی تہذیب قبول کرو، ہمارے کلچر میں ضم ہوجاؤ، یا پھر اس ملک کو چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ، خدا تعالیٰ سات

آسمان کی بلندی سے کہہ رہا ہے کہ ان ظالموں کو ہم تباہ و برباد کریں گے اوران کے بعد تم کو اس زمین میں بسائیں گے۔

اس وقت ملک کا عدلیہ، ملک کا برسر اقتدار طبقہ مسلم دشمنی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں ہے، نفرت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اب اس کی لپٹیں عام شہریوں کو بھی اپنے نرغے میں لے رہی ہیں، ان کی زبانیں بھی ہفوات بک رہی ہیں، اس موقع پر میں ایک لطیفہ سناتا چلوں جو موجودہ دور کی صحیح عکاسی کرتا ہے، ایک غیر مسلم کے سامنے کرشن ظاہر ہوئے اور اس سے کہا: مانگو جو مانگنا چاہتے ہو، آج تمہاری ہر مراد پوری ہوگی لیکن جو بھی تم مانگو گے اس کا ڈبل تمہارے مسلمان پڑوسی کو بھی ملے گا، اس نفرت کے مارے غیر مسلم نے بہت سوچ وچار کے بعد کرشن سے کہا: میری ایک آنکھ پھوڑ دو بدلہ میں میرے مسلمان پڑوسی کی دونوں آنکھیں پھوڑ دو۔

نفرت نے عام شہریوں کو اس حد تک اندھا کردیا کہ ملک کی معاشی حالت کیا ہورہی ہے، گھروں میں چولہے نہیں جل رہے ہیں، مگر ان کو خوشی اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیل رہی ہے اور مسلمان پریشان ہو رہا ہے۔

نوبت یہاں تک آ گئی کہ اب مرکز اسلام کعبہ کو بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے، حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدس کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے، اسلامی شعائر کی تضحیک کی جارہی ہے، جب کہ اسلامی ممالک جن کی تعداد کم وبیش ۵۷ رہے، ان کے پاس طاقت ہے، فوج ہے، معدنی ذخائر ہیں، اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتیں ہیں اور وہ خوش حالی ہے جس سے وہ کسی بھی ملک پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، لیکن کیا بات ہے کہ اثر انداز ہونا تو دور کی بات! اسلامی شعائر کی توہین پر بھی کسی ملک کی طرف سے مذمتی بیان بھی نہیں آتا، اس کی وجہ بے غیرتی، بے حمیتی، کمزوری اور دنیا کی بندگی ہے۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں بڑی رہنمائی کی ہے، حضور اکرم ﷺ کی سیرت سے ہم کو رہنمائی ملتی ہے کہ ان نامساعد حالات میں کیا کرنا چاہیے، حالات کیسے بدلیں گے، ڈر اور خوف امن میں کیسے تبدیل ہوگا، مایوسی امید میں کیسے بدلے گی، ارشاد باری ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً﴾(النور: ۵۵)

(تم میں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے بھلے کام کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور زمین میں حاکم بنائے گا جیسا اس نے ان کے پہلوں کو حاکم بنایا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور طاقت عطا فرمائے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کرلیا ہے اور ضرور ان کے خوف کو اطمینان سے بدل دے گا (بس) وہ میری بندگی کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔)

اس پر بھی رہنمائی ہے:

یہی متکبرانہ لہجہ تھا، راس المنافقین عبداللہ بن ابی کا، یہی انداز تھا جب اس نے کہا تھا:

﴿لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾(المنافقون: ۸)

(جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔)

لیکن ہوا کیا؟ وہ خود نامراد ہوا اور ذلت کی وادی میں گم ہو گیا اور جس سرزمین سے نکالنے کی بات کہہ رہا تھا وہ سرزمین ایمان وایقان کا سرچشمہ ہے اور اس سرزمین کے باشندوں نے محبت وفدائیت کی وہ لازوال داستان رقم کی جو تا قیامت بھلائی نہیں جاسکتی۔

جو مایوسی سے دوچار ہیں ان کی زبان سے مایوسی بھرے الفاظ ہی سننے کو ملتے ہیں، حالات نہیں بدلیں گے، اب کچھ نہیں ہوگا، مسلمان ہمیشہ ایسے ہی ظلم سہتے رہیں گے، نفرت ایسے ہی پھیلتی جائے گی، آگ سب کچھ جلادے گی، جو خود کچھ نہیں کرنا چاہتے وہ مایوسی پھیلانے کا کام بہت اچھے طریقہ سے کرتے ہیں، جب کہ قرآن کریم کہتا ہے: رب کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾(الإنشراح: ٥)
(بس ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے۔)
کبھی کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ شر سے خیر کو وجود عطا فرماتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:
﴿عَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾(البقرة: ٢١٦)
(ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو)
ہماری ناقص نگاہیں جس کو شر سمجھ رہی ہیں ممکن ہے کہ وہ بڑے خیر کا ذریعہ بن جائے، ایک طرف اگر مسلم دشمنی کو فروغ دیا جارہا ہے تو دوسری طرف اس دشمنی کی وجہ جاننے کے لیے ایک بڑا طبقہ اسلام کا مطالعہ بھی کررہا ہے اور اس کا یہ مطالعہ اس کو خدا سے قریب کررہا ہے، جس شدت سے اسلام کے نور کو بجھانے کی سازش کی جارہی ہے، اسی قوت سے اسلام کا نور پھیل رہا ہے اور دلوں کو روشن کررہا ہے، مایوسی کے تیل سے امید کی شمع روشن کررہا ہے:
﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾(الصف: ٨)
(وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں جب کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا خواہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار ہو۔)
بس ہم کو ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہم داعی ہیں، ہم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کریں، تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی عطا کریں، ہم دعوت کا فریضہ ہر حال میں جاری رکھیں، یقین واطمینان کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر اور یہ اعلان خداوندی یاد رکھیں:
﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُون﴾
(الصف: ٩)
(تاکہ وہ (اللہ) اس (اسلام) کو سب دینوں پر غالب کردے چاہے مشرک جتنا بھی پیچ وتاب کھائیں۔)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

مذہب اسلام کا امتیاز

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

”اسلام کی تاریخ کا یہ عجیب وغریب باب ہے کہ شجر اسلام لق ودق صحرا میں برگ وبار لایا اور بے آب وگیاہ سرزمین میں پھلا پھولا، اسلام کی طویل تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ اسلام کسی بھی وقت، کسی بھی علاقے میں سلطنتوں اور حکومتوں کی حمایت وپشت پناہی کا مرہون منت نہیں رہا ہے، جیسا کہ دیگر مذاہب میں یہ بات خصوصیت سے پائی جاتی ہے مثلاً: عیسائیت یہودیت اور دیگر مذاہب حکومتوں ہی کے سایہ میں پلے بڑھے اور طاقت وقوت، پروپیگنڈہ اور مادی وسائل اور دوسروں کے استحصال کے ذریعہ ان کی نشو ونما ہوئی، جیسے ہی ان طاقتوں یا وسائل کو زوال ہوا' ان کی دعوت کو بھی زوال ہوگیا۔

حقیقت پسندی، اخلاص اور غیر جانب داری کے ساتھ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اسلام نہایت ہی ناسازگار اور ہمت شکن حالات میں پھلا پھولا، اس لیے اگر کسی مذہب کو یہ دعویٰ ہوسکتا ہے کہ وہ طاقت وقوت کی حمایت اور کسی سلطنت وحکومت کی پشت پناہی کے بغیر بام عروج پر پہنچا تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔“

(دعوت اسلامی؛ مسائل، اندیشے اور تقاضے:۱۶۹)

میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد مصعب ندوی بارہ بنکوی

صحابی رسول، میزبانِ نبوت، جلیل القدر بزرگ، راوی حدیث، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جن کا نام خالد بن زید تھا، مدینہ کے معزز قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا شمار ان نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے جن کے ذکر سے تاریخ اسلام مہک اٹھتی ہے، کتب سیر وتاریخ میں آپ کا تذکرہ نہایت محبت، وقار اور اجلال کے ساتھ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو آپ کو وہ شرف حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہیں۔

جب مدینہ کی گلیاں ہجرتِ نبویؐ کے نور سے منور ہوئیں تو ہر دل میں یہ آرزو مچلنے لگی کہ کاش! نبی رحمت ﷺ ان کے گھر قیام فرمائیں۔ کاش! نبی مکرم ان کو میزبانی کا شرف بخشیں، ہر شخص ادب سے عرض گذار ہوتا مگر آپ فرماتے: میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہے۔

اونٹنی مسلسل چلتی رہی۔ سب کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں، اونٹنی جس گھر کے سامنے گزر جاتی تو وہاں کے لوگ مایوس ہو جاتے اور اس سے آگے کے گھر والوں کو امید کی کرن نظر آنے لگتی، مگر اونٹنی مسلسل اپنی چال میں مست چلتی رہی، لوگ بھی اس کے پیچھے رواں دواں تھے، ہر ایک کے دل میں شوق تھا کہ وہ اس خوش نصیب کو دیکھے جس کے نصیب میں یہ دولت آتی ہے، اونٹنی اپنی دھن میں چلتی رہی، یہاں تک کہ وہ درِ ابوایوب پر آ کر بیٹھ گئی، گویا تقدیر نے اس گھر کو شرفِ میزبانی کے لیے منتخب کرلیا ہو اور یوں ان کا آشیانہ نور نبوت سے جگمگا اٹھا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی خوشی دیدنی تھی آپ فرحت ومسرت سے جھوم اٹھے، نہایت محبت وادب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو خوش آمدید کہا، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ادب واحترام کو خاطر میں لاتے ہوئے گھر کی اوپر منزل خالی کر دی کہ رسول اللہ ﷺ اس میں قیام فرمائیں مگر آپ ﷺ نے آسانی کی خاطر نیچے قیام کو پسند فرمایا، حضرت ابوایوب انصاریؓ کے لیے آپ ﷺ کی بات سر آنکھوں پر، کہا: جہاں حضور رہنا پسند فرمائیں:

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

حضرت ابوایوبؓ کا دل عشقِ رسول ﷺ سے لبریز و سرشار، وہ ہر لحہ خدمت میں حاضر رہتے، ہر سانس ادب میں ڈوبی ہوتی، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ عشق ومحبت ادب واحترام کا ایک نادر واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نیچے والے حصے میں قیام فرماتے اور میں بالائی منزل میں، تو ایک خنک رات ہمارا پانی کا مٹکا گر کر ٹوٹ گیا، پانی چھت پر بہنے لگا، گھبراہٹ کی وجہ سے میں اور میری بیوی اپنے لحاف سے پانی خشک کرنے لگے کہ کہیں ایک قطرہ بھی ٹپک کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جائے، اس وقت ہمارے پاس اس ایک لحاف کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، جب صبح ہوئی تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اوپر رہوں اور آپ نیچے تشریف فرما ہوں اور میں نے رات مٹکا ٹوٹنے کا واقعہ بھی سنا دیا، آپ نے میری التجا کو قبول کرتے ہوئے بالائی منزل میں جلوہ افروز ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً 7 مہینے تک ابوایوب انصاری کے گھر تشریف فرما رہے، حضرت ابوایوب نے اس عرصہ میں میزبانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ سعادت ابوایوب کی زندگی کا درخشاں باب بن گئی، اس کے بعد بھی ایسے بہت سے واقعات ہیں جس میں

آپ حضرات صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کا شرف حاصل کرتے رہے اور اپنی قسمت پر نازاں وفرحاں ہوتے رہے۔

آپ صرف میزبان رسول ہی نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے شہسوار بھی تھے، آپ کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ آپ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکمت تک تمام جنگوں میں شامل رہے، الا یہ کہ عذر کی وجہ سے کسی جنگ میں شریک نہ ہو پائے ہوں، یہاں تک کی جب آپ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے تو آپ اس لشکر میں میں بھی موجود رہے جس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف روانہ فرمایا تھا، آپ کبرسنی کے باوجود اللہ کی راہ میں سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھے، روایت میں آتا ہے کہ ابھی جنگ کے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ آپ بیمار ہو گئے، سپہ سالار لشکر تیمار داری کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: کوئی خواہش ہو تو فرمائیں تو آپ نے کہا: مجاہدین سے کہنا کہ ابوایوب کی تمہیں وصیت ہے، دشمن کی سرزمین میں پیش قدمی کرتے ہوئے آخری حد تک جانا اور میری لاش کو بھی اپنے ساتھ آگے لے جانا اور قسطنطنیہ کی دیوار کے نزدیک دفن کر دینا، یہ کہہ کر اپنی جان اپنے مولا کے سپرد کر دی اور مجاہدین نے ان کی وصیت پر عمل کیا، آپ کی لاش کو لے کر آگے بڑھے اور جنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ آپ کو قسطنطنیہ شہر کی فصیلوں کے قریب دفنایا گیا، گویا زندگی بھی جہاد میں گزری اور موت بھی اسی راہ میں نصیب ہوئی، خدا آپ پر رحمت برسائے آپ نے غازی بن کر اس وقت بھی برق رفتار گھوڑوں پر سواری کی جب آپ کی عمر 80 سال کی تھی۔

ایثار وقربانی، زہد، تقویٰ، شجاعت ودلیری، عشق ومحبت یہ سب اوصاف آپ کی شخصیت میں اس طرح جمع تھے جیسے خوشبو پھول میں بسی ہوئی ہو، آپ کا گھر مہمانِ رسول ﷺ کا مسکن بنا اور آپ کی قبر آج بھی اسلام کی سرحدوں پر اسلامی شان وشوکت کی گواہی پیش کرتی ہے۔

......بقیہ: **عدت کے احکام**...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ...... ﴾(البقرۃ: ۲۳۴) (اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روک کر رکھیں۔) (دیکھئے: شامی: ۳/۵۱۱)

حاملہ کی عدت وفات:

شوہر کے انتقال کے وقت بیوی اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت بھی وضع حمل ہوگی جیسا کہ مطلقہ کے بارے میں گزر چکا ہے، اس لیے کہ تمام حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ارشاد فرمائی گئی ہے، خواہ عورت کو طلاق کی عدت گزارنی ہو یا وفات کی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۲۸)

غیر حاملہ عورت جب ایام سے عدت وفات گزار رہی ہو تو وہ تمام تفصیلات اس میں بھی ہوں گی جو مہینوں سے عدت گزارنے والی مطلقہ کے بارے میں گزر چکی ہیں، یعنی اگر مہینہ کے پہلے دن شوہر کی وفات ہوئی تو مہینوں کا شمار کیا جائے گا، چاہے وہ ۲۹/ دن کے ہوں یا ۳۰/ دن کے اور درمیان میں وفات ہوئی ہو تو دنوں کے اعتبار سے ۱۳۰/ دن عدت گزارے گی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۲۷)

اور جب حاملہ ہو تو اگر انتقال کے چند لمحات بعد بھی وضع حمل ہو جائے تو عدت مکمل مانی جائے گی، ہدایہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر شوہر کی لاش چارپائی ہو اور وضع حمل ہو جائے تو عورت کی عدت گزر جائے گی اور اس کے لیے دوسرے شوہر سے شادی کرنا حلال ہو جائے گا۔ (ہدایہ مع الفتح: ۴/۳۱۴)

جس عورت کو طلاق سنت دی گئی، اس کی عدت کب سے شروع ہوگی؟

جس عورت کو طلاق سنت دی جائے یعنی تین الگ الگ طہروں میں یا اگر اس کو حیض نہیں آتا تو تین الگ الگ مہینوں میں طلاق دی گئی تو اس کی عدت حیض یا مہینے سے ہونے کی صورت میں پہلی طلاق ہی سے شروع ہو جائے گی۔ (شامی: ۳/۵۲۰)

سوشل میڈیا اور اخلاقی چیلنجز

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت جدید آلات و وسائل کا استعمال ہر انسان کے لیے ایک ضرورت کی چیز بن چکا ہے، ان میں سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جنھوں نے پوری دنیا کو ایک Golbal Village بنا دیا ہے، اگر سات سمندر پار کوئی معمولی سا واقعہ بھی رونما ہوتا ہے تو سوشل میڈیا کے ذریعہ اس کی خبر پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے اور ایک عام انسان بھی اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے، بسا اوقات سوشل میڈیا پر چلنے والے ایک ٹرینڈ سے پوری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور ہر طبقہ اس سے متاثر ہوتا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خوب کہا تھا کہ

”پہلے انقلاب بڑی سست رفتاری اور آہستہ خرامی کے ساتھ آتا تھا، جیسا زمانہ تھا ویسا ہی انقلاب بھی، وہ بیل گاڑیوں، ہاتھیوں اور اونٹوں اور زیادہ سے زیادہ تیز رفتار گھوڑوں کا زمانہ تھا، اس وقت انقلاب انھی سواریوں کی رفتار سے آتا تھا، پھر ریل چلی، انقلاب ریل پر سفر کر کے آنے لگا، ہوائی جہاز چلے، انقلاب کی رفتار تیز ہوئی، اب انقلاب ایٹمی انرجی استعمال کرتا ہے، آواز سے زیادہ تیز جہازوں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دم کے دم میں گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔“

(پا جا سراغ زندگی: ۱۳۷-۱۳۸)

واقعہ یہ ہے کہ سوشل میڈیا کی برق رفتاری پر یہ الفاظ سو فیصد منطبق ہوتے ہیں، بلاشبہ ترقی کے اس دور میں سوشل میڈیا کی اپنی اہمیت، ضرورت اور نافعیت مسلّم ہے، فوری طور پر دنیاوی حالات سے آگہی کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے، پوری دنیا کے طول و عرض میں انسان کہیں بھی موجود ہو لیکن ان جدید آلات و وسائل کی بنیاد پر وہ اپنے اعزہ و اقرباء سے قریب ہوتا ہے اور انھیں ایک ایک منٹ کی خبر کا علم ہوتا ہے۔ بعض وہ ضروری معلومات جو پہلے مہینوں یا برسوں تک عام آدمی کے سامنے پہنچ پاتی تھیں، اب وہ لمحہ بھر میں پھیل جاتی ہیں۔ آن لائن مارکیٹنگ بھی اسی کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ بے شمار لوگوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچ رہا ہے اور بہت سے لوگوں کو گھر بیٹھے کمائی کے ذرائع میسر ہیں۔ فاصلاتی نظام تعلیم بھی اس کا ایک جز ہے جس کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو کم خرچ میں اور سہولت کے ساتھ ضروری تعلیم حاصل ہو جاتی ہے۔ مختلف طبقے کے لوگوں کو اپنے موضوع سے متعلق بھرپور مواد کے حصول کا بھی یہ ایک مفید ذریعہ ہے جس سے ان کی ضروریات آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی ہیں۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو اگر دعوت و اصلاح، دینی پیغامات، نصیحت آموز باتوں اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے لیے استعمال کیا جائے اور ان پہلوؤں کو موضوع گفتگو بنایا جائے جن سے انسانیت کا نفع وابستہ ہے تو یقیناً اس دور میں یہ ایک ٹھوس اور تعمیری کوشش ہوگی۔

سوشل میڈیا کے ان فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہے، اس وقت جس طرح نسل نو بے مقصدیت، لہو و لعب اور ضیاع وقت کا شکار ہے، اس میں ایک بڑا اور بنیادی سبب سوشل میڈیا کا حد سے بڑھا ہوا استعمال اور نشہ کی طرح اس کی لت پڑ جانا ہے۔ ان لوگوں کا تناسب بہت کم ہے جو صالح مقاصد کے لیے اس کا استعمال جانتے ہوں اور کرتے بھی ہوں، اس کے مقابل ایک بڑی تعداد ان کی ہے جو اندھے بہرے ہو کر اور اپنا مال خرچ کر کے ایسی لغویات کو خریدتے ہیں اور اس میں اپنی انرجی، اپنی صحت، اپنا وقت اور اپنی صلاحیت سب کچھ ضائع کرتے چلے جاتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

(لقمان: ٦)

(اور لوگوں میں کچھ اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں تاکہ بے جانے بوجھے اللہ کے راستہ سے ہٹادیں اور اس کا مذاق بنائیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے تھے کہ ''لہوالحدیث'' میں وہ تمام جدید آلات ووسائل شامل ہیں جن کا استعمال محض تفریح اور ضیاع وقت کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کی سب سے نمایاں شکل ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہے۔ بلاشبہ سوشل میڈیا اسی چیز کا جدید ترین قالب ہے۔ یہ وہ ''لہو الحدیث'' جس کا استعمال آدمی کو فرائض وواجبات اور اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے، سماجی زندگی سے منقطع کرتا ہے، خودفراموشی اور خدافراموشی پر آمادہ کرتا ہے، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی سے دور کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر لغویات اور فحاشی کا اسیر بنا دیتا ہے۔ پہلے آدمی کسی غلط فکر کا شکار اسی وقت ہوتا جب وہ کسی منحرف فکر والے آدمی سے ملتا یا اس کے افکار ونظریات کو بالقصد سنتا یا ان کا مطالعہ کرتا، لیکن اب بند کمرہ میں اس کا ایک کلک ہی اس کو انجام تک پہنچا دیتا ہے۔ پہلے آدمی کے لیے بدنظری کے وہ مواقع ممکن نہ تھے جواب ہیں کہ بند کمرہ اور بستر میں لیٹے لیٹے اس کے لیے فحش مناظر کو دیکھنے اور بدنظری کے پورے مواقع میسر ہیں۔ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام انسانیت سوز اور سوہان روح کاموں کے لیے آدمی اپنی صحت اور وقت سب کچھ برباد کرنے پر آمادہ ہے اور وہ ہوش کے ناخن نہیں لیتا۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سوشل میڈیا نے دنیا کی مسافتوں کو کم کردیا ہے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس نے باہمی تعلقات میں بھی بڑی دوریاں پیدا کی ہیں، ایک طرف یہ حالات سے آگہی کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف غلط اور جھوٹی خبروں کے نشر کرنے اور پروپیگنڈہ کو ہوا دینے کا بھی ایک طاقتور ذریعہ ہے، بعض اوقات بلا تحقیق کوئی ایسی بات وائرل کردی جاتی ہے جس کی زد میں آکر کسی مذہب یا کسی طبقہ یا کسی فرد اور سماج کو غیر معمولی نقصان اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طرح نفرت کا بازار گرم ہوتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو دوسروں کی کردارکشی کا بھی یہ ایک وسیع پلیٹ فارم ہے، آدمی بڑی سہولت سے بند کمرہ میں مائک آن کرکے دوسروں کی عزت اچھالنے، مذاق اڑانے اور عیب جوئی کا مذموم عمل کرتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرتا ہے۔

خاص طور پر اس کا سب سے شرم ناک پہلو فحاشی اور بے حیائی کا فروغ ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کہتے تھے کہ ہمارے معاشرہ میں تخریبی طاقتیں جس طرح اخلاقی انارکی اور بغاوت پھیلا رہی ہیں، ان کے پاس وہ وسائل ہیں جو رات کو دن اور دن کو رات ثابت کرسکتے ہیں، نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور بنا سکتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ آج سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعہ یہی عمل جاری ہے۔

اگر غور کیا جائے تو سوشل میڈیا مصنوعی زندگی کی بہترین تصویر ہے، ایڈیٹنگ کے ذریعہ ناظرین کے سامنے وہ مناظر پیش کردیئے جاتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، لیکن دیکھنے والوں کا ذہن ودماغ اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ احساس کمتری یا بے چینی کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وقت کا ضیاع سب سے بڑا چیلنج ہے، آدمی جو وقت عبادت وریاضت اور انسانیت کی خدمت کے لیے بسر کرسکتا تھا' آج وہ سارا وقت سوشل میڈیا کی نذر ہو چکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت سوشل میڈیا نے نسل نو کی زندگی کو فاسد، اخلاق کو خراب اور ان کے بلند مقاصد کو برباد کردیا ہے اور اس کے نتیجہ میں بہ حیثیت مجموعی ایک ایسا فاسد نظام برپا ہو چکا ہے جو قوموں کے تاریک مستقبل کا فیصلہ کررہا ہے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جو لوگ ان ذرائع کا جتنا زیادہ استعمال جانتے ہیں' اتنا ہی زیادہ ان کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ نسل نو کے ہاتھوں سے اس ناسور کو دور کیا جائے ورنہ کم ازکم صالح مقاصد کی طرف اس کے استعمال کی اپیل کی جائے اور اس کے لیے ہر طرح کی کوشش کی جائے۔

ضبط وپیش کش:
محمد عظیم الدین ندوی

ملفوظات داعی اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شجر اسلام کی ثمر ریزی اور انسانی بقا کا راز:

فرمایا: ''انسان کی بقاء اور استحکام، اسلام وایمان سے وابستہ ہے اور شجر اسلام کی ثمر ریزی مندرجہ ذیل امور سے وابستہ ہے: توحید وسنت، اخلاص، ظلم سے اجتناب، رزق حلال، رشتوں ناطوں کا خیال اور سچی محبت۔''

قریش کی وجہ تسمیہ:

فرمایا: ''قریش کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے جو سب جانوروں پر غالب رہتا ہے، وہ سب کو کھا جاتا ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام ہے کہ قریش پر بھی کوئی غالب نہیں آسکتا۔

قصی بن کلاب سے پوچھا گیا کہ تمہارے قبیلے والے اپنے بیٹوں کا نام ''کلاب'' (کتا) اور غلاموں کا نام ''مرزوق'' (رزق دیا گیا) وغیرہ کیوں رکھتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ غلام ہماری خدمت کے لیے ہوتے ہیں اور لڑکے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے، اس لیے لڑکوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جس کو دشمن سنتے ہی ڈر جائے۔''

کمالِ انسانی اور ایک اشکال کا جواب:

فرمایا: ''قرآن مجید میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے: ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ (الفرقان: ٧٤) (اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہم کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ سے اثرات لیے جا سکتے ہیں اور دوسرے پر ڈالے بھی جا سکتے ہیں، اس لیے اچھے سے اچھا اور برے سے برا حظ شیطانی انسانی کمالات کے منافی ہے، ہر انسان جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو کچو کے لگاتا ہے اور جب شیطان کچو کے لگاتا ہے تو انسانی کمال میں زوال آتا ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کے لیے کامل واکمل بنانا مقصود تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اوصاف جمیلہ اور اخلاق کاملہ کے ساتھ ہوئی تھی جیسا کہ آتا ہے کہ ''كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ.'' (گویا آپ جیسے چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کیے گئے۔)

تو پھر شق صدر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے شیطانی اثرات سے محفوظ ہو گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سے انسانی خواہشات بھی ختم ہو گئیں لیکن اس صورت میں ''انسانی کمال'' باقی نہیں رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باکمال وباجمال پیدا ہوئے تھے اور اس میں ذرہ برابر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اس کمال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے اندر اوصاف انسانی نہ ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ کامل ترین انسان ہوگا، اتنا ہی زیادہ اس کے اندر انسانی فطرتیں، طبیعتیں اور خواہشات بھی کامل واکمل درجہ کی ہوں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے اکمل ترین انسان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرور کائنات، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، حبیب خدا سیّد کونین بننا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شق صدر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کے اس مادہ کو خارج کر کے صاف کر دیا جس کے رہنے سے شیطان کچو کے لگا سکتا ہے اور شق صدر ہو جانے کے بعد یہ نہ سمجھا جائے کہ انسانی خواہش ختم ہو گئی بلکہ اس کے ذریعہ ان اثرات کا ازالہ مقصود تھا جن کی بنیاد پر ذہن میں غلط تصور آئے، حقیقت میں شق صدر کے ذریعہ اسی کا خاتمہ ہوا اور ظاہر ہے کہ انسان جب ہر برائی سے، غلط خیالات اور برے تصورات سے محفوظ رہے گا تو اس کے اندر انسانی خواہشیں بھی اکمل درجہ میں موجود رہیں گی اور وہ کامل ترین ہوگا۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 18 May 2026 Issue: 05

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

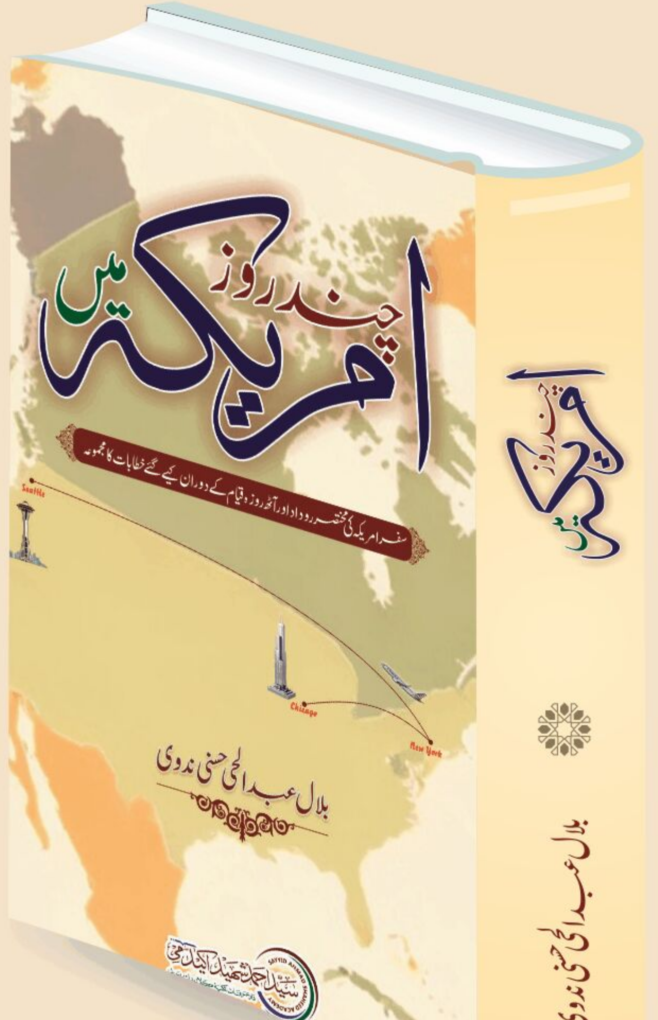

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)